آج کا تاجکستان

سابق سوویت یونین کی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں آزاد ہونے والی ریاستیں جس عبوری دور سے گزر رہی ہیں، اس میں باہم مختلف قوتوں کا باہم ٹکراؤ کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ یہ کشمکش کسی نہ کسی سطح پر ہر ریاست میں، کہیں زیادہ اور کہیں کم، جاری ہے۔ وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں بالخصوص اس کشمکش کا میدان ہیں کیوں کہ سابق کمیونسٹ دور کے حکمران پارٹی ناموں کی تبدیلی کے ساتھ علیٰ حالہ براجمان ہیں۔ وہ اپنی آزاد ریاستوں میں عوام کو جمہوری حقوق دینے، انہیں اقتدار میں شریک کرنے اور ان کی خواہشات کے مطابق تبدیلیاں لانے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کر پا رہے۔

داخلی کشمکش کے نتیجے میں سابق سوویت یونین کی تین ریاستوں کے حکمرانوں کو احتجاجی مظاہروں اور عوامی غیظ و غضب کے درمیان اقتدار سے الگ ہونا پڑا ہے۔ جارجیا کے صدر گیمسا خردیا کو جنوری ۱۹۹۲ء میں مسلسل احتجاج اور مظاہروں کے بعد اقتدار سے ہٹنا پڑا۔ اُن کے بعد آذر بائی جان کے صدر ایاز مطالیبوف کو اس وقت باکو سے فرار ہونا پڑا جب بپھرے ہوئے عوام نے پارلیمنٹ کا گھیراؤ کر لیا اور ستمبر ۱۹۹۲ء میں تاجکستان کے رحمان نبی یوف نے بادلِ ناخواستہ اقتدار کی کرسی چھوڑ دی۔ مسلم وسطی ایشیا کی باقی ریاستوں اور بالخصوص ازبکستان کے صدر اسلام کریموف کو اسی خطرے کا سامنا ہے۔

تقریباً ۵۳ لاکھ آبادی پر مشتمل تاجکستان سابق سوویت یونین کی ایک چھوٹی اور اقتصادی اعتبار سے سب سے پسماندہ ریاست ہے۔ ریاست کے اندر مشرقی علاقہ نسبتاً زیادہ غریب ہے۔ پورا ملک بحیثیت مجموعی نیم پہاڑی اور پہاڑی علاقے پر مشتمل ہے۔ معیشت کا انحصار کپاس کی کاشت پر ہے۔ اسے گوشت کے لیے قازقستان اور گندم کے لیے روس پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ پن بجلی کے وسائل کے حوالے سے سابق سوویت یونین میں اسے دوسری پوزیشن حاصل تھی۔ آبادی میں غالب اکثریت تاجک قبائل کی ہے جو کل آبادی کا ۶۰ فیصد ہیں۔ تاجک زبان فارسی کے بہت قریب ہے اور بعض لوگ تو اسے فارسی کی ہی ایک شکل سمجھتے ہیں۔ فارسی شاعر رودکی اور عمر خیام کے بارے میں تاجکوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ان میں سے تھے۔

تاجکستان سابق سوویت یونین کے نظم و نسق کے حوالے سے تین خطوں (لینن آباد، کرگان - تا ٔیوبے اور کلیاب)، ۴۳ دیہی اضلاع، ۱۸ قصبوں اور ۴۹ شہری آبادیوں میں منقسم ہے۔ تاجکستان میں

ایک خود مختار علاقہ "گورنو بدخشاں" ہے جہاں اسماعیلی قابلِ لحاظ آبادی کے مالک ہیں۔ تاجک یوں تو زبان کے لحاظ سے ایران کے بہت قریب ہیں مگر مذہبی اعتبار سے ایرانیوں کے برعکس اُن کی بڑی اکثریت سنی العقیدہ ہے۔

سابق سوویت یونین کے خاتمے پر جب تاجکستان کو باقی جمہوریاؤں کے ساتھ آزادی نصیب ہوئی تو یہاں کے کمیونسٹ حکمرانوں نے سوشلسٹ پارٹی آف تاجکستان کا لیبل اختیار کر لیا۔ واضح رہے کہ تاجکستان میں کمیونزم بالخصوص عوامی سطح پر کبھی مقبول آئیڈیالوجی نہیں رہا۔ قبائلی حوالے سے وجود میں آنے والا طاقت ور گروپ کمیونزم کے نام پر حکمرانی کرتا رہا۔ اسی گروپ نے اپنے قبائلی تعلقات اور مفادات پر مبنی مراسم کو اقتدار پر قائم رہنے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ ۲۴ نومبر ۱۹۹۱ء کے صدارتی انتخابات میں سابق کمیونسٹ رہنما رحمان نبی یوف ۵۷ فیصد ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے مگر حزبِ اختلاف نے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کے الزامات لگائے اور اُن کے دعوے کے مطابق اگر انتخابات منصفانہ ہوتے تو رحمان نبی یوف کے جیتنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

تاجکستان میں حزبِ اختلاف

تاجکستان کی حزبِ اختلاف کی جماعتوں میں سے ایک "نیشنل فرنٹ" ہے جو "رستاخیز" کے نام سے معروف ہے۔ اس کے مقاصد میں قوم پرستانہ اور جمہوری اقدار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور تاجک ثقافت کے احیاء کی خواہش رکھتی ہے۔ گورباچوف دور میں فروری ۱۹۹۰ء میں جو فسادات ہوئے تھے، سرکاری ذرائع ابلاغ کے مطابق "رستاخیز" نے ان میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

"رستاخیز" کے ساتھ ایک دوسری جماعت "ڈیموکریٹک پارٹی آف تاجکستان" ہے جو اگست ۱۹۹۰ء میں منظم ہوئی اور مغربی جمہوری ذہن کی مالک ہے۔ ان قوم پرستانہ اور جمہوری رویّوں کے ساتھ تیسرا رویّہ حزبِ نہضت اسلامی کا ہے جو تحریک کی حیثیت سے نہ صرف مسلم وسطی ایشیا بلکہ روس کے مسلم علاقوں میں بھی اثر و رسوخ کی مالک ہے۔ مگر قانونی طور پر اسے سیاسی جماعت کی حیثیت سے صرف تاجکستان میں تسلیم کیا گیا ہے۔ حزبِ نہضت اسلامی مسلمانوں کو قرآن و سنّت کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنانے کا جذبہ رکھتی ہے اور بلا اختلافِ مذہب تمام قومیتوں کو مساوی حقوق دیے جانے کی داعی ہے۔ حزب سیاسی تبدیلی کے لیے دستوری ذرائع استعمال کرنے پر یقین رکھتی ہے اور اس مقصد کے لیے دوسری ہم خیال جماعتوں کے ساتھ تعاون میں اسے کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔

تاجکستان میں "حزبِ نہضت اسلامی" کے قائدین میں جناب محمد شریف اور شیخ عبداللہ نمایاں شخصیات ہیں۔ جناب محمد شریف تاجکستان کی حزب کے صدر ہیں اور جناب شیخ محمد عبداللہ بڑے مقبول عوامی مقرّر ہیں۔ اپنے علم و عمل اور سوویت دور میں قید و بند سے گزرنے کے باعث عوام میں

مقبولیت رکھتے ہیں۔ حزبِ نہضتِ اسلامی یوں تو پوری جمہوریہ میں مقبول ترین جماعت ہے تاہم اسے مشرقی علاقے میں نسبتاً زیادہ قوّت حاصل ہے۔

رحمان نبی یوف کی مخالفت

نومبر ۱۹۹۱ء کے انتخابات کے بعد جناب رحمان نبی یوف نے اپنے اقتدار کو پرانے اسٹائل کے مطابق چلانے کی کوشش کی۔ سوویت آمرانہ طرزِ حکومت اور مفادات پر مبنی تعلقات کے دائرے قائم رہے، نیز عوام کی خواہشات کو مناسب جگہ نہ مل سکی۔ چنانچہ آہستہ آہستہ اضطراب بڑھتا گیا اور مئی ۱۹۹۲ء میں اس کا اظہار عوامی احتجاج اور مظاہروں کی شکل میں سامنے آنے لگا۔ آخر الامر بادلِ ناخواستہ جناب رحمان نبی یوف نے حزبِ اختلاف کی جماعتوں کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے پر رضامندی کا اظہار کیا۔

جناب رحمان نبی یوف نے قوم پرستانہ جذبات کی تسکین کی کوشش کی۔ تاجک کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا اور کسی حد تک اسلامی حوالوں کا استعمال ہونے لگا۔ تاہم انہوں نے حزبِ اختلاف کی جماعتوں کو مختلف طریقوں سے بدنام کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ کبھی توانہیں بنیاد پرستی کا طعنہ دیتے ہوئے تاجکستان کو ایرانی طرز کی اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے اُنہیں کوشاں قرار دیا اور کبھی انہیں فتنہ وفساد کا باعث بتایا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حزبِ نہضتِ اسلامی واضح طور پر قرآن وسنّت کے نفاذ کی داعی ہے مگر تاجک مسلمان شیعہ نہیں، اس لیے اُن کی اسلامی طرزِ حکومت کسی طور ایران کی نقل نہیں ہو سکتی۔

جناب رحمان نبی یوف جمہوری اقدار اور معیشت کے حوالے سے عوام کی توقعات پر پورے نہیں اتر سکے۔ افراطِ زر کی شرح بڑھ کر ۱۰۳ فیصد ہو گئی اور معیشت ترقیٔ معکوس کا شکار رہی۔ ایک سال کے عرصے میں شرح افزائش ۷۔۸ فیصد گر گئی۔ ایک بار پھر عوام سڑکوں پر آگئے مگر جناب رحمان نبی یوف نے عوام کا موڈ دیکھنے کی بجائے جبر وقوّت سے اقتدار پر قائم رہنے کی کوشش کی۔ ایک ہزار سے زائد قیمتی جانیں ضائع ہونے پر انہوں نے ۷ ستمبر ۱۹۹۲ء کو استعفاء دیا۔ پارلیمنٹ کے اسپیکر جناب اکبر شاہ اسکندروف عارضی صدر قرار پائے۔

اہم ترین مسئلہ

تاجکستان کی نئی انتظامیہ کے سامنے پہلے روز سے جو مسئلہ سرفہرست رہا ہے، وہ امن وامان کی بحالی ہے۔ سابق صدر رحمان نبی یوف کے حامی جو کرگان تائیوبے اور کلیاب میں قوّت کے مالک ہیں، نئے حکمرانوں کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ تاجکستان میں اسلحے کی کمی نہیں اور مختلف جماعتوں اور متحارب دھڑوں کو باسانی مل جاتا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے تو علاقے کے ممالک میں ایران وافغانستان

کو اس اسلحے کا ذریعہ قرار دیا ہے، گو ایران اس سلسلے میں انکار کرتا ہے۔ ایرانی نقطۂ نظر کے مطابق ایران تاجکستان کے ساتھ اچھے مراسم چاہتا ہے۔ اُسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تاجک کیسی حکومت بناتے ہیں اور کیسی نہیں بناتے۔ اسی طرح بارہا کہا گیا ہے کہ افغانستان میں آباد تاجکوں کی بڑی تعداد اسلحے سمیت تاجکستان میں داخل ہوئی ہے اور یہ لوگ جمہوری و دینی قوتوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔

جمہوری اور دینی قوتوں کی رائے ہے کہ تاجکستان میں مقیم دولت مشترکہ کی روسی افواج اس اسلحے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں کیوں کہ ان کے فوجی اتنے پست حوصلہ ہو چکے ہیں کہ وہ تاجکستان میں مقیم رہنا نہیں چاہتے اور وہ کسی بھی فریق کو معمولی داموں اسلحہ فراہم کر دیتے ہیں، تاہم سبب کچھ بھی ہو، تاجکستان کے جملہ سیاسی فریقوں کو اسلحے تک رسائی حاصل ہے اور اس وقت تک امن و امان بحال نہیں ہو سکتا جب تک تاجکستان پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد نہیں ہو جاتا یا نئے انتخابات نہیں ہو جاتے۔ رحمان نبی یوف کے حامیوں اور موجودہ حکمرانوں کے درمیان تصادم اور اختلاف کا سلسلہ جاری ہے اور مستقبل قریب میں اس کے خاتمے کا امکان کم نظر آتا ہے۔

روس کا رویّہ

تاجکستان کی صورتِ حال میں "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" کا بھی ایک کردار ہے۔ دوشنبے اور فسادات کے دوسرے ممکنہ مقامات پر دولت مشترکہ کے دستے تعیّنات کیے گئے ہیں۔ تاجکستان - افغانستان سرحد بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر کیا دولتِ مشترکہ کے دستے براہ راست فوجی مداخلت پر آمادہ ہوں گے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کوئی حتمی جواب نہیں۔ ایک رائے الیگزنڈر رٹسکوئی کے مشیر آندرے فیدوروف کی ہے کہ "اس بات کا خطرہ ہے کہ تاجکستان کے ساتھ ازبکستان اور کرغیزستان میں بھی خانہ جنگی پھوٹ پڑے۔ یا تاجکوں اور ازبکوں کے درمیان خون ریزی شروع ہو جائے۔ لیکن روس کے پاس نہ تو رقم ہے اور نہ افراد کہ وہ ان علاقوں میں مسلح مداخلت کر کے صورتِ حال بہتر بنا سکے۔"

اس پس منظر میں یہ رائے دی جا رہی ہے کہ "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" مسلم ریاستوں میں فوجی مداخلت کی اجازت نہیں دے گی۔ اور اگر روس کی پارلیمنٹ اس کی اجازت دے بھی دے تو فوجی دستوں کے حوصلے اتنے پست ہیں کہ وہ کوئی معرکہ سر نہ کر سکیں گے بلکہ حالات کو مزید خراب کرنے کا باعث بنیں گے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ماسکو نہ چاہتے ہوئے بھی مداخلت پر مجبور ہو جائے گا کیوں کہ تاجکستان کی صورتِ حال اس کی قومی سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ یہاں سے اٹھنے والی دینی و جمہوری لہریں سرحدیں عبور کر جائیں گی۔